اسلام میں سند کا مقام

حافظ شعیب احمد

آخری قسط

سند کی اہمیت بارے اشعار

سند کی اہمیت ایک شاعر نے یوں بیان کی ہے کہ بلا اسناد روایت اس گھر کی مانند ہے، جس کے ستون اور چھت نہ ہو چنانچہ کہتا ہے

والعلم ان فاته اسناد مسنده
كالبيت ليس له سقف ولا طنب (۶۱)

"وہ علم جس کی سند بیان کرنے والے کی سند فوت ہوجائے (نہ رہے) تو وہ علم اس گھر کی طرح ہے، جس کی چھت نہ ہو یا وہ خیمہ جس کی رسی نہ ہو۔"

بعض شعراء محدثین یا اہل الحدیث سے محبت رکھنے والے شعراء نے سند کے ذکر کرنے پر حاصل ہونے والی لذت وراحت کا ذکر یوں کیا ہے:

يا لذة العيش ما (قد) قلت حدثنا
عوف و بشر عن الشعبي والحسن (۶۲)

"ہائے زندگی کی لذت و مزہ! جب کبھی میں ﴿حدثنا عوف و بشر عن الشعبي والحسن﴾ کہا کرتا تھا۔"

عظیم شاعر حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں کہتا ہے

يضم عمرا الى الزهري يسنده
وبعد عمرو إلى الزهري صفوانا
و عبدة و عبيد الله ضمهما
وابن السبيعي ايضا و ابن جدعانا
فعنهم عن رسول الله يوسعنا
علما و حكما و تاويلا و تبيانا (۶۳)

"وہ عمرو تا زہری سند بیان کرتا ہے تو درمیان میں صفوان، عبدۃ اور عبید اللہ کا ذکر کرتا ہے اور اسی طرح ابن السبیعی اور ابن جدعان کا بھی۔ وہ ان راویوں کی سند کی بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنا کر ہمارے علم و حکمت اور تفسیر و تاویل میں وسعت پیدا کرتا ہے۔"

امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ محدث سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرثیہ میں کہتے ہیں

من للحديث عن الزهري يسنده
وللاحاديث عن عمرو بن دينار
ما قام من بعده من قال حدثنا
الزهري في أهل بدو أو بأحضار (۶۴)

"اب کون ہے جو امام زہری سے اور عمرو بن دینار سے احادیث روایت کرے۔ (سفیان بن عیینہ) کے بعد کون ہے جو شہروں دیہات میں ﴿حدثنا الزهري﴾ کہنے کیلئے کھڑا ہوا"

بلا سند روایت کی حیثیت

ہر ایسی روایت جس کی ذخیرہ کتب حدیث میں کوئی سند نہ ہو اس کی کچھ حیثیت نہیں ہے۔ اگرچہ اس کا ناقل کوئی جلیل القدر امام یا مصنف ہی کیوں نہ ہو۔ ایسی روایت کے بارے محدثین کرام کا یہی موقف رہا ہے۔ امام جمال الدین القاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "قواعد التحدیث" میں ایک فصل بعنوان ﴿لاعبرة بالاحاديث المنقولة في كتب الفقه والتصوف ما لم يظهر سندها وان كان مصنفها جليلا﴾ (۶۵) "وہ احادیث جو کتب فقہ یا کتب تصوف میں بلا سند آئی ہیں جب تک ان کی اسناد سامنے نہ آئیں، کچھ حیثیت نہیں رکھتیں، خواہ ان کے ناقل جلیل القدر مصنفین ہی ہوں۔" قائم کی ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "موضوعات" میں درج ذیل روایت ذکر کی ہے۔

﴿من قضى صلوة من الفرائض في اخر جمعة من شهر رمضان كان ذلك جابرا لكل صلوة فائتة في عمره الى سبعين سنة﴾ "جس شخص نے ماہ رمضان کے آخری جمعہ کو کسی فرض نماز کی قضائی دی تو یہ ستر سال تک کی فوت شدہ نمازوں کے نقصان کی تلافی کرے گی۔"

اس کے بعد ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہدایہ کے شارحین میں صاحب النہایہ وغیرہ نے اس روایت کا ذکر کیا ہے، مگر اس کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ وہ محدثین نہیں ہیں اور نہ ہی انہوں نے اس حدیث کی کسی محدث و کتاب کی طرف نسبت کی ہے۔ (۶۶)

امام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ الصعود الی سنن ابی داؤد میں حدیث:

﴿انه كان يسرح لحيته كل يوم مرتين﴾ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی مبارک کو ہر روز دو مرتبہ کنگھی کرتے تھے۔"

ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ میں اس حدیث کی سند پر مطلع نہیں ہوا اور میرے خیال میں یہ صرف امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے اس حدیث کا اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ اس کتاب (احیاء العلوم) میں کئی ایسی احادیث ہیں، جن کی کوئی اصل

نہیں ہے۔(۶۷)

بلاسند روایت کشف والہام اور خواب وغیرہ سے صحیح یا حدیث نبوی قرار نہیں دی جاسکتی۔

اس بارے میں امام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک فصل بعنوان ﴿الرد علی من یزعم تصحیح بعض الأحادیث بالکشف بأن مدار الصحة علی السند﴾ قائم کی ہے۔ اس کے تحت آپ رحمۃ اللہ علیہ نے امام علیش رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فتویٰ کے درج ذیل الفاظ نقل کئے ہیں:

﴿أن الأحادیث لا تثبت الا بالا سانید لا بنحو الکشف وانوار القلوب﴾(۶۸)''بے شک احادیث اپنی اسناد کے ساتھ اپنی حیثیت پاتی ہیں' نہ کہ کشف اور انوار قلوب کے ساتھ۔''

وہ احادیث جن کی سند کہیں بھی موجود نہ ہو' مگر درج ذیل امور میں سے کسی ایک کے ساتھ اسے تائید وتقویت حاصل ہوتی ہو تو بھی ایسی حدیث کی کچھ حیثیت واہمیت نہ ہو گی مثلاً

۱۔ امت نے اس حدیث کو عملاً قبول کر رکھا ہے۔

۲۔ قرآن کے ظاہر کے موافق ہے۔

۳۔ مجتہدین اس سے استدلال کرتے ہیں۔

۴۔ کسی صوفی یا صاحبِ کشف کو کشف والہام کے ذریعہ معلوم ہوا کہ یہ حدیث رسول ہے۔

۵۔ کسی کو خواب میں رسول اللہ ﷺ یا آپ کے علاوہ کسی نے بھی بتایا کہ یہ حدیثِ مصطفیٰ ہے۔

ایسی حدیث و روایت کے بارے دکتور المرتضیٰ الزین احمد لکھتے ہیں کہ

﴿لا یتقوی الحدیث بو احد من هذه العواضد ولا تصح نسبته لرسول الله ﷺ لاجل واحد من هذه العواضد﴾(۶۹)''کوئی حدیث ان مؤیدات میں سے کسی ایک مؤید کے ساتھ بھی قوت نہیں پا سکتی اور نہ ہی اس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس حدیث کی نسبت کرنا صحیح ہوگا۔''

سند کے فوائد و برکات

۱۔ سند کے ذکر سے رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔

یہ اس لئے کہ سند میں محدثین کا ذکر ہوگا' جو اولیاء اللہ ہیں اور بالآخر راس الصالحین محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک ہوگا' تو رحمتِ الٰہی کیوں نہ جوش مارے گی' اسی لئے امام ابوجعفر احمد بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

﴿عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة...... فرسول الله ﷺ راس الصالحین﴾(۷۰)''نیک لوگوں کے تذکرہ کے وقت رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو صالحین کے سرخیل و سردار ہیں۔''

۲۔ سند کے ذکر سے اہلِ علم (اساتذہ) کا ایک طرح سے شکریہ ادا ہو جاتا ہے۔

اس بارے امام جمال الدین القاسمی' امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحریر ذکر کرتے ہیں کہ:

﴿ومن برکة العلم وشکره عزوه إلی قائله﴾''علم کی برکت' شکریہ اور اس کی قدر دانی اس بات میں ہے کہ اس کی نسبت اصل قائل کی طرف کی جائے۔''

اسی طرح امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ

﴿من شکر العلم ان تستفید الشیء فاذا ذکر لک قلت خفی علی کذا و کذا ولم یکن لی به علم حتی افادنی فلان فیه کذا و کذا فهذا شکر العلم﴾''علم کی قدر دانی اس چیز کا نام ہے کہ جب آپ علمی استفادہ کسی سے کچھ کریں تو کہیں کہ فلاں چیز مجھے معلوم نہ تھی اور مجھ پر مخفی تھی' حتیٰ کہ فلاں شخص نے مجھے بتایا کہ یہ ایسے ایسے ہے تو یہ علم کی قدر دانی اور شکریہ ادا کرنا ہے۔''

اس کے بعد امام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ' سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا طرزِ عمل ذکر کرتے ہیں:

﴿لهذا لا تراني أذكر في شيء من تصانيفي حرفا الامعزوا إلى قائله من العلماء مبينا كتابه الذي ذكر فيه﴾(۷۱)''لہٰذا تم مجھے پاؤ گے کہ میں نے اپنی تصانیف میں کسی سے مستفاد حرف بھی لکھا ہے تو اصل قائل عالم کی طرف نسبت کر دی۔ یہ اور قائل کی اس کتاب کا نام بھی ذکر کیا ہے' جس میں اس نے وہ بات لکھی تھی۔''

۳۔ بیانِ سند سے خبر مؤکد و مؤثر ہو جاتی ہے۔

سنی سنائی بات کی کچھ حیثیت نہیں ہوتی' مگر بسند بیان کی ہوئی خبر پختہ بھی ہو جاتی ہے اور سامعین پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ اسی لئے امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ متنِ حدیث ذکر کرنے کے بعد سند کے بارے فرماتے:

﴿بقي راس المال﴾''اصل سرمایہ تو باقی ہے۔''

اور پھر یوں گویا ہوتے:

﴿حدثني فلان قال حدثنا فلان عن فلان﴾(۷۲)

۴۔ سند حفاظتِ دین کا ایک اہم ذریعہ ہے

یہ ایک حقیقت ہے کہ آج اگر دینِ اسلام اپنی اصلی حالت میں ہمارے پاس موجود ہے تو اسی سند کی بدولت ہے۔ اگر امتِ محمدیہ نے بھی سند کا اہتمام خاص نہ کیا ہوتا تو مبتدعین اور دشمنانِ اسلام اسلامی تعلیمات میں ملاوٹ کر کے اپنی خواہشات کو دین کا حصہ قرار دے لیتے اور پھر دینِ اسلام خالص نہ رہتا' بلکہ اس کی حیثیت بھی سابقہ مذاہب کی طرح محرف ومبدل ہو کے رہ جاتی۔ اس بارے امام ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ:

﴿لولا الاسناد لقال من شاء ما شاء﴾ پیچھے گزر چکا ہے۔

۵۔ سندِ حدیث سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ

کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

جب راوی حدیث تمام رواۃ کا ذکر کرنے کے بعد قال رسول اللہ ﷺ کہتا ہے تو اس طرح اس سند کی بدولت اس کا تعلق رسول اللہ ﷺ سے ہو جاتا ہے۔ سند ایک سلسلہ (زنجیر) ہے، جس کی آخری کڑی رسول اللہ ﷺ ہیں اور اس کی ہر کڑی دوسری کڑی سے زنجیر کی کڑیوں کی طرح ملی ہوئی ہے اور جس راوی کی سند کے جتنے واسطے کم ہونگے اتنا ہی وہ رسول اللہ ﷺ کے زیادہ قریب ہوگا اور رسول اللہ ﷺ کا قرب، قرب الٰہی کا ذریعہ ہے اسی لیے امام محمد بن اسلم الطوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ﴿قرب الاسناد قرب او قربة الی اللہ تعالیٰ﴾ (۷۴) ''سند میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب یا اللہ کے قرب کا باعث ہے۔''

ایسی سند جس کے واسطے کم ہوں ''عالی سند'' کہلاتی ہے اور جس کے واسطے زیادہ ہوں ''نازل سند'' کہلاتی ہے۔ (۷۵) عالی سند میں راوی رسول اللہ ﷺ کے زیادہ قریب ہوتا ہے اسی لیے صحابہ کرامؓ و محدثین کرام کو عالی سند حاصل کرنے کا بہت زیادہ شوق ہوتا تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ''طلب الاسناد العالی سنة عمن سلف، لأن اصحاب عبداللہ کانوا یرحلون من الکوفة الی المدینة، فیتعلمون من عمرو یسمعون منه'' (۷۶) ''عالی سند کا حاصل کرنا سلف کا (محبوب) مشغلہ رہا ہے کیونکہ حضرت عبداللہ (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) کے شاگرد کوفہ سے مدینہ کا سفر کرتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے علم سیکھتے اور سماع حدیث کرتے۔

عالی سند کے حصول کا دوسرا فائدہ جس کی وجہ سے محدثین اسے حاصل کرنے کی کوشش میں رہتے تھے یہ ہے کہ اس میں تغیر و تبدل اور غلطی و آمیزش کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔ (۷۷) اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شخص کے حالات اس کا بیٹا اور پڑپوتا دونوں بیان کرتے ہیں تو ترجیح بیٹے کے بیانات کو دی جائے گی۔ بیٹے کی یا پوتے کی سند ''عالی'' ہوگی اور پڑپوتے کی ''نازل''

متصل سند بیان کرنے کے دو فوائد

۱۔ راوی اکیلا مسئول نہیں رہتا

سند ذکر کر دینا گویا دعویٰ مع الدلیل پیش کرنا ہے سند ذکر کرنے سے راوی اس لحاظ سے قلبی اطمینان و راحت حاصل کر لیتا ہے کہ اس متن کو بطور حدیث پیش کرنے کے دعویٰ میں وہ اکیلا نہیں بلکہ دیگر تمام رواۃِ سند حتیٰ کہ صحابہؓ تک اس کے ساتھ اس ذمہ داری میں برابر کے شریک ہیں۔

۲۔ سامعین مطمئن اور عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے

جب سامعین یہ دیکھتے ہیں کہ انکے سامنے رواۃ کا ایک مکمل سلسلہ موجود ہے جن میں سے ہر ایک ثقہ محدث ہے جو گواہی دے رہا ہے کہ اس نے یہ حدیث فلاں محدث سے سنی حتیٰ کہ سلسلہ سند صحابی رسول ﷺ سے ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ تک جا ملتا ہے تو وہ قلبی راحت و اطمینان پاتے ہیں اور انکے لیے اس حدیث پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام بھز بن اسدؒ کے سامنے جب کوئی حدیث صحیح سند کے ساتھ بیان کی جاتی تو آپؒ خوشی سے فرماتے ﴿ھذہ شھادات الرجال العدول المرضیین بعضھم علی بعض﴾ (۷۸) ''یہ عادل و ثقہ اور پسندیدہ راویوں کی ایک دوسرے کے بارے شہادات و گواہیاں ہیں۔''

۸۔ سند کے ساتھ ہی حدیث نبوی ﷺ اور قول امتی میں پہچان ہو سکتی ہے

حدیث اور قولِ صحابی وغیرہ اگر دونوں بلا سند ہوں تو انکی الگ الگ پہچان نہ ہو سکے گی لیکن جب سند ذکر ہوگی تو فوراً انکا الگ الگ تعین ہو سکے گا۔ اسی لیے امام شعبہؒ فرماتے ہیں کہ ''کل حدیث لیس فیه حدثنا و حدثنا فھو مثل الرجل بالفلاة معه البعیر لیس له خطام'' (۷۹) ''ہر وہ حدیث جس میں حدثنا و حدثنا نہیں تو ایسی حدیث بیان کرنے والا محدث اس شخص کی طرح ہے جو صحراء میں ہو، اس کے پاس اونٹ ہو مگر اونٹ کی لگام ہی نہ ہو۔''

یعنی صحرا میں بغیر لگام کے اونٹ والا شخص یہ نہیں جانتا کہ اپنے اونٹ کو کس طرف اور کیونکر متوجہ کرے اسی طرح بدون سند محدث بھی حدیث کی تمیز و معرفت سے قاصر ہوتا ہے۔

۹۔ نقد حدیث کے اکثر قواعد کا مدار سند پر ہے

محدثین کے یہاں قبولِ حدیث کا دار و مدار سند پر ہے اور سند رجال پر مشتمل ہوتی ہے صحیح حدیث کیلئے تمام رجال سند کا ثقہ و عادل ہونا ضروری ہوتا ہے۔ علم الاسناد میں پھر ان رواۃ کے حالات زندگی جاننے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ حالاتِ زندگی میں انکے نام، نسب، تاریخ پیدائش، مولد و مسکن، تعلیم و تربیت، اساتذہ، تلامذہ، وفات وغیرہ سب معلومات اکٹھی کی جاتی ہیں۔ پھر اس کے بعد ہی راوی کے ثقہ وغیرہ ثقہ ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور پھر حدیث صحیح یا غیر صحیح قرار پاتی ہے۔

لہٰذا جب روایت کے ساتھ سند ہوگی تو ہی اس کے بارے فیصلہ کرنا ممکن ہو سکے گا وگرنہ نہیں لہٰذا یہ کہنا بجا ہے کہ نقدِ حدیث کے اکثر قواعد کا مدار سند پر ہے۔

لیکن حدیث کے صحیح یا ضعیف یا موضوع قرار دینے کیلئے تمام تر مدار صرف سند پر نہیں ہے بلکہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ سند بالکل صحیح ہو مگر متن ضعیف یا موضوع ہو اسی لیے محدثین کے یہاں یہ جملہ معروف ہے۔ ﴿ما کل ماصح سند اصح متنا﴾ (۸۰) ''ہر وہ حدیث جس کی سند صحیح ہے، ضروری نہیں کہ اس کا متن بھی صحیح ہو۔''

اس بارے مستشرقین کا یہ دعویٰ محض تحکم ہے کہ مسلمانوں کے یہاں صحتِ متن کیلئے محض سند کی تحقیق کا لحاظ ہی ہے۔ (۸۱) حالانکہ صحتِ متن کیلئے تحقیقِ سند کے علاوہ بھی

کئی امور کو محدثین پیش نظر رکھتے ہیں۔

علم الاسناد کی برکت سے ہی اسلاف و اخلاف کے حالات قلمبند ہوئے

علم الاسناد جس میں رواۃ کے ثقہ وغیر ثقہ ہونے کے بعد ہی سند کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور کسی کی ثقاہت وغیر ثقاہت معلوم کرنے کیلئے متعلقہ راوی کے حالاتِ زندگی معلوم ہونا ضروری ہیں۔ لہٰذا محدثین کرام نے رواۃ کے حالات قلمبند کرنے کیلئے بڑی محنت وجانفشانی سے کام لیا جیسا کہ علامہ شبلی نعمانیؒ رقمطراز ہیں۔

> ”سینکڑوں، ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کردیں ایک ایک شہر میں گئے راویوں سے ملے انکے متعلق ہر قسم کے معلومات بہم پہنچائے جو لوگ انکے زمانہ میں موجود تھے انکے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کیے۔ ان تحقیقات کے ذریعے اسماء الرجال (بیوگرافی) کا وہ عظیم الشان فن تیار ہوگیا جس کی بدولت آج کم ازکم لاکھ شخصوں کے حالات قلمبند ہوسکتے ہیں اور ڈاکٹر اسپرنگر کے حسن ظن کا اعتبار کیا جائے تو یہ تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔“ (۸۲)

آج ہمارے پاس نہ صرف صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین کرام، محدثین کرام، رواۃِ حدیث کے حالات محفوظ ہیں بلکہ اسی فن ”علم الاسناد“ کے زیر اثر آج تک علماء وصلحاء کے حالات لکھے جا رہے ہیں، ہر دور کے محدثین اپنے اساتذہ محدثین کے حالات قلمبند کرتے رہے اور یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ علم الاسناد ہی کی برکت ہے کہ ہم آج انکی زندگیوں کا مطالعہ کرکے انکے تجربات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

علم الاسناد اور دیگر علوم

اسلام میں سند کی مطلقاً اہمیت موجود ہے البتہ ابتدا میں اس کا زیادہ تر لحاظ قرآن وحدیث کے ساتھ کیا گیا مگر کچھ ہی عرصہ بعد علماء اسلام نے تمام علوم وفنون میں اس کا استعمال کرنا شروع کردیا۔

آج ہمارے پاس اقوالِ صحابہ، آثار تابعین و تبع تابعین، اقوال الفقہاء متصل سند کے ساتھ موجود ہیں۔ دورِ جاہلی کے اشعار بھی ہم تک بسند پہنچے ہیں اور ان تمام علوم و فنون کے بیان ونقل کے وقت ان تمام اصول وقواعد کا لحاظ رکھا گیا جن کا اہتمام ولحاظ محدثین کرتے ہیں یعنی تحمل واداء کے طرق، روایت ورواۃ کی شرائط، نقد وجرح کے پیمانے، تصنیف وتخریج کے اسالیب اور ترجیح کے معیار وغیرہ

لیکن یہ لکھنے میں ہمیں باک نہیں ہے کہ سند حدیث کے حوالے سے جن کڑی شرائط کا خاص اہتمام کیا گیا بالکل اسی انداز میں تاریخ، شعر، ادب، صرف ونحو وغیرہ علوم میں نہیں کیا گیا اس لیے کہ حدیث دین کی اساسی بنیادوں میں سے ہے قرآن مجید کے بعد یہی دوسرا اہم ماخذ شریعت ہے جبکہ باقی علوم کی یقیناً یہ حیثیت نہیں ہے لہٰذا کچھ تساہل سے بھی کام لیا گیا۔ (۸۳)

سند کا استعمال دورِ حاضر میں

امت مسلمہ کے علماء اہل الحدیث کے یہاں آج بھی سند کا التزام ہے آج بھی دینی مدارس کے طلبہ کو انکے اساتذہ محدثانہ اصول وضوابط کی روشنی میں حدیث پڑھاتے ہیں اور باقاعدہ طور پر استاد شیخ الحدیث اپنی سند رسول اللہ ﷺ تک بیان کرتا ہے جسے انکے طلبہ اپنے پاس بڑی محبت وعقیدت سے محفوظ کر لیتے ہیں تاکہ وہ بھی کل کلاں اپنے تلامذہ کو حدیث پڑھائیں تو اپنی سند بیان کرسکیں۔

یہاں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی سند تحدیثِ نعمت کے طور پر ذکر کروں۔

☆ حدثنا الشیخ الحافظ عبدالعزیز بن احمد اللہ العلوی قرأت علیه وهو یسمع (۸۴)

☆ قال حدثنا الشیخ الحافظ محمد جوندلوی

☆ قال اخبرنا الحافظ عبدالمنان

☆ قال اخبرنا السید محمد نزیر حسین

☆ قال اخبر نا الشیخ محمد اسحاق

☆ قال اخبرنا الشیخ عبدالعزیز

☆ قال اخبرنا ابی الشیخ احمد المعروف بشاہ ولی اللہ

☆ قال اخبرنا الشیخ محمد بن ابراهیم الکردی

☆ قال اخبر نا والدی الشیخ ابراهیم الکردی

☆ قال اخبرنا الشیخ احمد القشاشی

☆ قال اخبرنا احمد بن عبد القدوس الشناوی

☆ قال اخبرنا محمد بن احمد الرملی

☆ قال اخبرنا احمد زکریا بن محمد الانصاری

☆ قال اخبرنا الحافظ احمد بن حجر العسقلانی

☆ قال اخبرنا ابراهیم بن احمد التنوخی

☆ قال اخبرنا ابو العباس احمد بن أبی طالب الحجار

☆ قال اخبرنا السراج الحسین بن المبارک الزبیدی

☆ عن الشیخ عبدالأول السجزی الهروی

☆ عن الشیخ عبدالرحمن بن المغفل الداودی

☆ عن عبدالله بن احمد السرخسی

☆ عن محمد بن یوسف الفربری

☆ عن امیر المومنین فی الحدیث الشیخ ابی عبدالله محمد بن اسمعیل البخاری الجعفی قال: "باب قول الله: ونضع الموازین القسط لیوم القیمة وأن أعمال بنی ادم و قولهم یوزن

وقال مجاهد القسطاس العدل بالرومية ويقال: القسط مصدر المقسط وهو العادل وأما القاسط فهو الجائر قال:

☆ حدثنا احمد بن اشكاب قال

☆ حدثنا محمد بن فضيل

☆ عن عمارة بن القعقاع

☆ عن ابی زرعة

☆ عن أبی هريرة رضی الله عنه وعنهم قال

☆ قال النبی صلی الله علیه وسلم

" کلمتان حبیبتان الی الرحمن، خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان الله و بحمده، سبحان الله العظیم" (۸۵)

علم الاسناد کے قواعد اور اہل مغرب کی خوشہ چینی

اقوام عالم میں امت محمدیہ کے علماء کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اخبار و روایات کو جانچنے پرکھنے کے اصول وضوابط انہوں نے علمی بنیادوں پر وضع کیے اس فن میں انہیں سبقت و اولیت کا شرف حاصل ہے محدثین کے یہی اصول وضوابط پھر دیگر اقوام عالم نے بھی اختیار کیے۔

''اردو میں اصولِ تحقیق'' کے ایک مقالہ نگار ''مغربی فکرِ تحقیق'' موضوع کے تحت لکھتے ہیں کہ

'' مسلمانوں کے اصولِ تحقیق.......... قریب قریب یہی اصول اب مغرب کی کتابوں میں بھی بیان ہونے لگے ہیں''

مقالہ نگار ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے پھر بطور مثال Carter V. Good کی کتاب " The Methadologoy of Educational Resarch" سے ایک اقتباس بھی نقل کیا ہے جو علم الاسناد کے قواعد کو ضمن میں لیے ہوئے ہے (۸۶)

اسی طرح بیروت میں امریکن یونیورسٹی میں ایک مسیحی استاد اسد رستم نے ''مصطلح التاریخ'' کتاب مرتب کی جو تاریخی روایات کے اصول وقواعد پر مشتمل ہے اس میں اس نے محدثین کے اصول وقواعد پر ہی اعتماد کیا ہے اور اس نے یہ اعتراف کیا ہے کہ

''أنها أصح طريقة علمية حديثة لتصحيح الاخبار و الروايات'' (۸۷) ''بے شک وہ اخبار و روایات کی صحت معلوم کرنے کے لیے صحیح ترین اور جدید طریقہ ہے۔''

سند اور عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

اسلام کا ابتدائی زمانہ اتحاد و اخوت اور یگانگت کا زمانہ تھا رسول کائنات ﷺ کی تعلیم وتربیت کے زیر اثر صحابہ کرامؓ خیانت، بددیانتی اور کذب بیانی سے کوسوں دور تھے وہ ایک دوسرے پر انتہائی زیادہ اعتماد کرنیوالے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرنے میں وہ حد درجہ احتیاط سے کام لیتے تھے لہٰذا صحابہ کرامؓ بھی جب کوئی حدیث ایک دوسرے سے سنتے تو بیان کرتے وقت سند ذکر کرتے مثلاً

۱۔ حضرت علیؓ نے حضرت براء بن عازبؓ کو بتایا کہ انھیں انکی بیوی حضرت فاطمہؓ نے خبر دی کہ ''ان رسول الله صلى الله عليه وسلم امرها ان تحل فحلت و نضحت البيت بنضوح'' (۸۸) ''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حلال ہونے کا حکم دیا تو وہ حلال ہو گئیں اور انھوں نے گھر میں خوشبو چھڑکی۔''

۲۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ بہت سی احادیث ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں جنھیں انھوں نے خود براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا۔ (۸۹)

البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دورِ عثمانی سے قبل سند کا اتنی شدت کے ساتھ اہتمام نہیں کرتے تھے بلکہ ایک صحابی دوسرے صحابی سے حدیث رسول ﷺ سننے کے بعد براہِ راست ''قال رسول الله ﷺ'' کہہ کر ہی بیان کر دیا کرتا تھا اور ایسا باہمی حسن ظن اور اعتماد کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کرتے تھے جیسا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

''ما كل ما نحدثكم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم سمعنا منه، منه ماسمعنا منه، ومنه ما حدثنا اصحابنا ونحن لانكذب'' (۹۰) ''جو ہم تمھارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرتے ہیں، وہ ساری ایسی نہیں ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہوں، بلکہ کچھ آپ سے سنی ہیں اور کچھ ہمیں ہمارے ساتھی صحابہ نے بتائی ہیں اور ہم جھوٹ نہیں بولتے۔''

بلکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنھم ایسے بھی تھے کہ کبھی ان سے یہ سوال ہو جاتا کہ جو حدیث آپ بیان کر رہے ہیں اسے آپ نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا؟ اس پر وہ صحابہ رضی اللہ عنھم ناراض ہو جاتے جیسا کہ حضرت انس بن مالکؓ سے یہ سوال ہوا تو آپؓ نے غصہ سے کہا ''ما كان بعضنا يكذب على بعض'' (۹۱) ''ہم ایک دوسرے پر جھوٹ نہیں باندھتے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی ایسی روایات جو وہ دوسرے صحابہ سے سن کر براہِ راست ''قال رسول الله ﷺ'' کہہ کر بیان کردیں اور درمیانی واسطہ صحابی کا ذکر نہ کریں اصطلاح میں ''مراسیلِ صحابہ'' کہلاتی ہیں۔ ایسی روایات کے بارے محدثین کا اتفاق (۹۲) ہے کہ بلا خوف و تردد قبول کی جائینگی (۹۳) کیونکہ جس راوی کا ذکر نہیں ہوا وہ صحابی ہے اور تمام اہل سنت کا اتفاق ہے کہ ''الصحابة كلهم عدول'' (۹۴)

وضع الحدیث کا فتنہ صغار صحابہ کرامؓ کے دور میں شروع ہو چکا تھا لہٰذا اب صحابہ قبولِ روایت میں زیادہ محتاط ہو گئے اور ہر کس و ناکس کی روایت قبول نہ کرتے تھے اور اب سند کا اہتمام پہلے سے زیادہ ہونے لگا تھا اس کیلئے درج ذیل روایت بطور دلیل پیش کی جاسکتی ہے۔

''عن مجاهد قال: جاء بشير بن كعب العدوى (۹۵) إلى ابن عباس، فجعل يحدث ويقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

قال رسو ل الله صلى الله عليه وسلم، فجعل ابن عباس لا يأذن لحديثه ولا ينظر اليه، فقال: يا ابن عباس! مالي لا أراك تسمع لحديثي؟ احدثك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا تسمع، فقال ابن عباس: إنا كنا مرة اذا سمعنا رجلا يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم . ابتدرته ابصارنا، واصغينا اليه باذاننا، فلما ركب الناس الصعبة والذلول، لم نأخذ من الناس الاما نعرف "(۹۶) "حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ بشیر بن کعب العدوی ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور حدیث بیان کرتے ہوئے کہنے لگے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی حدیث کی طرف توجہ نہ دی اور نہ ہی ان کی طرف نظر التفات کی۔ تو بشیر نے کہا اے ابن عباس رضی اللہ عنہ! کیا وجہ ہے کہ تم میری حدیث کو نہیں سن رہے؟ حالانکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہوں۔ اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک وقت تھا جب ہم کسی شخص کو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے سنتے تو ہماری آنکھیں فوراً اسے دیکھتیں اور ہم اپنے کان اس شخص کی طرف لگاتے۔ لیکن جب سب لوگوں نے رطب و یابس بیان کرنا شروع کر دیا ہے، تو ہم لوگوں سے صرف وہی قبول کرتے ہیں، جس کو ہم پہچانتے ہیں۔"

ابتدائی دور میں سند کا اہتمام کم ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بلاسند "امرنا ان نفعل كذا" یا "نهينا عن كذا" یا "كنا نؤمر بكذاء يا كنا ننهى كـــذا" وغیرہ کے الفاظ بھی استعمال کرلیا کرتے تھے۔ محدثین کے یہاں ایسی روایت بھی مرفوع حدیث کے حکم میں ہی ہوگی کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دینے والے یا منع کرنے والے وہ رسول اللہ ﷺ ہی ہو سکتے ہیں۔ (۹۷)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سند کا اہتمام کرتے تھے مگر ابتدائی زمانہ میں کم اور آخری زمانہ میں زیادہ۔

خلاصہ بحث

خلاصہ یہ ہے کہ سند کا اہتمام جس قدر امت محمدیہ نے کیا ہے، اس قدر کسی بھی اور قوم و مذہب نے نہیں کیا اور امت محمدیہ کا خاصہ متصل سند اور ثقہ رواۃ پر مبنی سند کو ہی قبول کرنا ہے۔ منقطع سند اور غیر ثقہ رواۃ کی روایت کی اصالۃً کچھ حیثیت نہیں ہے۔ اسلام میں سند کے استعمال و اہتمام نے دیگر اقوام عالم کو بھی متاثر کیا اور اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کے استعمال پر مجبور ہوئے۔

گذشتہ بحث سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے، جو کہتے ہیں کہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں سند کا اہتمام و استعمال بالکل نہ تھا اور یہ کہ بہت بعد میں احادیث کے ساتھ اسناد منتھی کر دی گئیں، لیکن اس بحث سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں سند کا اہتمام تھا اگرچہ ابتداء میں کم تھا، مگر جیسے جیسے حالات کچھ بگاڑ کا شکار ہو رہے تھے اور دشمنانِ اسلام تعلیماتِ اسلامیہ میں نقب زنی کی کوششیں کر رہے تھے، تو اسی قدر سند کا اہتمام زیادہ کیا جانے لگا تھا۔

حواشی وتعلیقات

(۶۱) محمد عجاج الخطيب: السنة قبل التدوين، ص ۲۲۶

(۶۲) الرامهرمزي: المحدث الفاصل (دار الفكر بيروت ۱۹۷۱م) ص ۲۲۸

(۶۳) ایضاً ص: ۲۲۵۔۲۲۶

(۶۴) ایضاً ص ۲۲۶

(۶۵) جمال الدين قاسمي: قواعد التحديث، ص ۱۸۲۔۱۸۳

(۶۶) ملا علي قاري: الموضوعات الكبرىٰ (المكتبة الاثرية سانگلہ ہل شیخوپورہ س۔ن) ص ۳۵۶

(۶۷) المرجع السابق، ص ۱۸۳

(۶۸) جمال الدين قاسمي: قواعد التحديث، ص ۱۸۳۔۱۸۴

(۶۹) ڈاکٹر مرتضیٰ زین احمد: مناهج المحدثين في تقوية الاحاديث الحسنة والضعيفة (مكتبة الرشد الرياض ۱۹۹۴م) ص ۲۲

(۷۰) ابن صلاح: مقدمہ ابن صلاح، ص ۱۴۴

(۷۱) جمال الدين قاسمي: قواعد التحديث، ص ۴۰

(۷۲) شاید اسی کی برکت ہے کہ امام سیوطیؒ کی کتب کو قبولیتِ عامہ حاصل ہوئی (مقالہ نگار: شعیب احمد)

(۷۳) ابن حبان: المجروحين من المحدثين، ۱: ۲۰

(۷۴) ابن صلاح: مقدمہ ابن صلاح، ص ۱۳۰

(۷۵) محمود الطحان: تيسير مصطلح الحديث (دار القرآن الكريم، بيروت ۱۹۷۹م) ص ۱۸۰

(۷۶) جمال الدين قاسمي: قواعد التحديث، ص ۲۰۲

(۷۷) صبحي صالح: علوم الحديث (دار العلم للملايين، بيروت ۱۹۷۸م) ص ۲۳۹

(۷۸) ابن ابي حاتم رازي: الجرح والتعديل، ۱: ۱۶

(۷۹) ابن حبان: المجروحين من المحدثين، ۱: ۲۷

(۸۰) صبحي صالح: علوم الحديث، ص ۱۶۴

(۸۱) ايضاً ص ۲۸۷

(۸۲) شبلی نعمانی: سیرۃ النبی ﷺ (دار الاشاعت کراچی ۱۹۸۵م) ۱: ۳۷۔۳۸

(۸۳) صبحي صالح: علوم الحديث، ص ۳۲۲ والدكتور اكرم ضياء العمري: بحوث في تاريخ السنة (مؤسسة الرسالة بيروت ۱۹۷۵م) ص ۵۷، ومصطفىٰ صادق الرافعي: تاريخ آداب العرب (مطبعة الاستقامة القاهرة ۱۹۵۳م) ۱: ۲۹۵، وعبد الفتاح ابو غدة: لمحات من تاريخ السنة (المكتبة العلمية لاهور ۱۹۸۴م) ص ۸۰۔۸۶، آپ نے بہت خوبصورت تبصرہ کیا ہے، لکھتے ہیں "ان علماءنا المتقدمين رضي الله عنهم، نقلوا الناهذا الدين و علومه بضبط واتقان يضاهي ضبط الآلات المسجلة اليوم وأدوا الامانة العلمية لمن بعدهم خير اداء"

(۸۴) استاد محترم شیخ الحدیث حافظ عبدالعزیز علوی حفظ اللہ اس وقت جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں "شیخ الحدیث" کے عہدہ

باقی صفحہ نمبر ۹ پر